زبان اور بولی

فائزہ بٹ
لیکچرار، کینئرڈ کالج، لاہور

LANGUAGE AND DIALECT

AN ANLYTICAL STUDY

Faiza Butt
Lecturer in Urdu,
Kinnaird College, Lahore

Abstract

In linguistics, one of the most difficult issues is how to draw a clear line between a language and a dialect. Dialects are mutually intelligible forms of a language which differ to one another in certain grammatical rules and pronunciations. This criterion works to a large extent but sometimes it is not easy to differentiate between the two and a clear cut distinction evades the researchers. An effort has been made to show the complexity of this issue and tried to solve it accordingly through the article.

Keywords:

ارتقا، زبان، بولی، انگریزی، ہندی، بنگالی، سنسکرت، اردو، بھاسا، ملائشیا، انڈونیشیا

زبان ایک ایسا عالم گیر مظہر ہے جو ہر لحظہ ارتقا میں ہے۔ یہی ارتقا اس کے زندہ ہونے کی دلیل ہے۔تاریخ بتاتی ہے کہ جن زبانوں میں کسی سبب ارتقائی عمل رک گیا وہ مر گئیں ۔اسی سبب اگلے وقتوں کی کئی بڑی زبانوں کی حیثیت آج ماضی کے اوراقِ پارینہ کے سوا کچھ نہیں۔ ان میں آرامی اوراسوری زبانیں قابلِ ذکر ہیں۔ گویا دنیا کی ہر زندہ زبان ارتقا پذیر ہے۔ ہر ترقی یافتہ بڑی زبان اپنے ارتقائی مراحل میں مختلف لسانی ومعاشرتی عوامل کے تحت دیگر زبانوں سے نہ صرف متاثر ہوتی ہے بل کہ اُن پر اپنے اثرات بھی مرتب کرتی ہے:

> ''دنیا کی ترقی یافتہ سے ترقی یافتہ زبان بھی اس امر کا دعویٰ نہیں کر سکتی کہ وہ دوسری زبانوں کے اثرات یا الفاظ سے یک سر خالی ہے۔''(۱)

باہمی اختلاط سے زبانیں طبعی اورلسانی سطح پر تغیر کا شکار ہوتی ہیں۔ زبان میں تغیر پذیری ایک وسیع مظہر ہے۔لسانیاتی نقطۂ نظر سے زبانیں نہ صرف ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں بل کہ ایک زبان خود میں بھی متعدد اختلافات رکھتی ہے۔(۲) یہ اختلافات اورتغیرات جغرافیائی، سیاسی، مادی اتفاقات ،تعلیم، عادات،جنس، مذہب اورنسل کی بنا پر ہوسکتے ہیں۔مختلف عوامل کے تحت زبان میں رونما ہونے والا ہر انحراف اس زبان کی ایک 'بولی' کہلاتا ہے۔ انگریزی زبان میں بولی کے لیے عموماً دو الفاظ 'Variety' اور 'Lect' مستعمل ہیں۔

'The Cambridge Encyclopedia Of Language' کے مطابق:

> "The term Variety itself often used for 'Any Variety' of a language, but in recent years, many sociolinguists have begun to use 'Lect' as general term in this way."(3)

گویا بلاتخصیص زبان میں کسی بھی نوع کی تبدیلی بولی کہلاتی ہے:

> "Lect is a term used by some sociolinguists to refer to a collection of Linguistic phenomena which has a functional identity within a Speech Community, but without

specifying the basis on which the collection was made (e.g. whether the lect was regional (cf. Dialect), social (cf. Sociolect), etc.)."(4)

بعد ازاں بولی پر مزید تحقیق کی غرض سے اسے متعدد پیانوں مثلاً انفرادی، علاقائی، طبقاتی وغیرہ کی سطح پر جانچا جاتا ہے۔یہاں یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ بلاشبہ ماہرینِ لسانیات کے ہاں بولی کے لیے انگریزی لفظ 'Lect' مستعمل ہے مگر عمومی حلقے میں اس مقصد کے لیے 'Lect' کے بجائے لفظ 'Dia-Lect' ہی استعمال کیا جاتا ہے۔

"A dialect is simply a distinct form of a language, differentiated from other forms of the language by specific linguistic feature (e.g., pronounciation, or vocabulary, or grammar, or any combination of these.)."(5)

جدید لسانیاتی نقطہ نظر سے بولی ایک نظریاتی تصور ہے اور اس اصطلاح کے وضع کیے جانے کا مقصد ماہرین کے لیے محض ایسا پیمانہ مہیا کرنا ہے جس کی مدد سے زبان میں رونما ہونے والے کسی بھی نوع کے انحراف کو جانچا جا سکے۔ جب کہ درحقیقت زبان فرد در فرد، گروہ در گروہ اور علاقہ در علاقہ مسلسل تغیر پذیر ایک ایسا عالم گیر مظہر ہے جسے مختلف بولیوں میں حتمی طور پر تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔

بولی کی منطقی تعریف اور وضاحت اگرچہ ایک مشکل امر ہے، تاہم ایک لسانی گروہ کی زبان میں انحراف کے مطالعے کے لیے اصطلاح بولی کا استعمال ناگزیر ہے۔(۶)

دنیا کی ہر زبان ایک مخلوط زبان ہے جو متعدد انفرادی، علاقائی اور معاشرتی بولیوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔کوئی بھی بڑی اور زندہ زبان ایسی نہیں کہ جس کی ایک سے زیادہ بولیاں نہ ہوں۔ زبان ایک ہی معیار اور ایک ہی شکل میں کسی پورے علاقے میں نہیں بولی جاتی۔ایک بڑے علاقے کے لسانی گروہ میں امتدادِ زمانہ کے ساتھ کچھ انفرادی خصوصیات پیدا ہوجاتی ہیں۔ انھیں خصوصیات

کے باعث زبان مختلف بولیوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ درحقیقت زبان چاہے کتنے ہی مختصر علاقے میں کیوں نہ بولی جاتی ہو، بولیوں کے اختلاف سے خالی نہیں ہوتی ہے۔

زبان اور بولی میں فرق

عموماً یہ سوال کیا جاتا ہے کہ زبان اور بولی میں کیا فرق ہے؟ اس سوال کے درج ذیل جوابات ممکن ہیں:

- سماجی اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ نظامِ نطق جسے سیاسی سرپرستی میں بہ حیثیت قومی زبان تسلیم کر لیا جائے، زبان ہے اور جو یہ قبولیت حاصل نہ کر سکے وہ بولی ہے۔(۷) مثال کے طور پر کئی ممالک کی قومی زبانیں ابتداءً عام مقامی بولی کی حیثیت رکھتی تھیں۔ کسی سبب ان کے دائرہ کار والے علاقے نے سیاسی اعتبار سے امتیازی حیثیت حاصل کرتے ہوئے پورے ملک کا نظام سنبھال لیا۔ اس سیاسی برتری کی بہ دولت اس مخصوص علاقے کی بولی کو 'قومی زبان' کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ گویا کسی بولی کو زبان کا درجہ دلانے میں اس علاقے کے سیاسی عنصر کی بالا دستی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

"A language is a dialect with an army and a navy."(8)

- اس کا ایک موزوں جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ایسا نظامِ نطق جس میں ادب تخلیق کیا جا سکے وہ زبان ہے اور جس میں ادبی مواد تخلیق نہ کیا گیا ہو یا بہت کم تخلیق کیا گیا ہو وہ بولی ہے۔(۹)

- بولی کا اطلاق عام طور پر زبان کی ایسی عوامی یا عامیانہ طرز پر کیا جاتا ہے جو زبان کے معیار اور درستی کے متضاد ہو۔ لیکن لسانیاتی نقطۂ نظر سے بولی، کسی بھی نوع کے امتیاز کے بغیر، محض زبان کی ایک متغیر شکل کو کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ماہرینِ لسانیات زبان کی نام نہاد معیاری شکل کو فقط ایک بولی ہی سے تعبیر کرتے ہیں جو درحقیقت کسی بھی سطح پر اور کسی بھی طرح سے اُس زبان کی دیگر بولیوں سے ممتاز نہیں ہوتی ہے۔(۱۰)

- اس ضمن میں جدید نظریہ یہ ہے کہ درحقیقت زبان اور بولی میں کوئی بنیادی فرق

نہیں ہے۔(۱۱) اس تناظر میں دیکھا جائے تو ہر فرد علاقائی ،قومی اور بین الاقوامی سطح پر کسی نہ کسی بولی یا زبان کا استعمال کرتا ہے۔گویا امریکن انگلش ، آسٹریلین انگلش ، اور برٹش انگلش انگریزی زبان کی بولیاں ہیں جنھیں علاحدہ و خود مختار ممالک میں مستعمل ہونے کے سبب قومی بولیاں (National Dialects) کہا جا سکتا ہے۔(۱۲) اسی طرح سے افراد مختلف علاقائی بولیاں یا زبانیں بھی بولتے ہیں۔مانا جاتا ہے کہ زبان مختلف بولیوں کا مجموعہ ہے ،لہذا انگریزی زبان کی کوئی ایک بولی بولنے والا فرد گویا انگریزی زبان ہی بولتا ہے اور انگریزی زبان کی کسی بھی ایک بولی کا استعمال کیے بنا فرد انگریزی زبان نہیں بول سکتا۔

اگر کسی زبان کے استعمال کا حلقہ نہایت محدود ہو تو اس کے بولنے والوں میں ایک دوسرے سے قرب کی بنا پر اس زبان کی بولیاں زیادہ نہیں ہوتیں۔ اس کے برعکس زبان کا علاقہ جس قدر بڑا اور دشوار گزار ہوگا، افراد میں کم آمیزی کے سبب اتنی ہی زیادہ اس میں بولیاں ہوں گی۔ دراصل زبان میں انحراف اور بولیوں کی آفرینش وارتقا کا انحصار افراد کے جغرافیائی ومعاشرتی قرب وبُعد پر ہوتا ہے۔ ایک ہی زبان بولنے والے دو گروہوں میں زیادہ سے زیادہ باہمی روابط کے سبب ان کی بولی تقریباً یک ساں ہوتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ایک گروہ کی بولی میں ظاہر ہونے والے تغیرات میل ملاقات سے دوسرے گروہ کی بولی کو بھی متاثر کرتے ہیں جس سے دونوں گروہوں میں باہمی تفہیم کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس متعدد طبعی ،معاشرتی، سیاسی اور مذہبی حد بندیوں میں پنپنے والے لسانی گروہوں میں باقاعدہ رابطہ نہ ہونے کے باعث بولیوں کے مابین اختلافات مضبوط تر ہو جاتے ہیں ۔ یہ اختلافات دو علاحدہ لسانی گروہوں سے متعلقہ افراد کے مابین باہمی تفہیم کا تناسب بہ تدریج کم کرنے ، بولیوں کے باہم آمیز نہ ہونے کی وجہ سے مغائرت بڑھانے اور مزید نئی بولیوں کی آفرینش کا سبب بنتے ہیں۔غیر متمدن قبائل میں چوں کہ نقل مکانی کم ہے اس لیے ان زبانوں میں بولیوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔

بولی نہ صرف دیگر بولیوں سے اختلاط کی بنا پر تغیر وتبدل کا شکار ہوتی ہے بل کہ مخصوص علاقائی اثرات بھی اس میں تبدیلی کا سبب بنتے ہیں۔ زبان میں کسی بھی نوع کی تبدیلی اگر قومی سطح پر پوری زبان کو متاثر کرنے میں کام یاب رہے تو نئی بولیوں کی آفرینش کا عمل رک جائے گا۔ اس کے برعکس اگر نئے تصورات کی درآمد کا سلسلہ پوری زبان کے بجائے کسی مخصوص علاقائی حدود میں مستعمل زبان کو متاثر کرے تو بولی جنم لے گی اور انحراف زبان سے متاثر علاقہ نئی بولی کا علاقہ تصور کیا جائے گا۔(۱۳) زبان اور بولی میں کسی بھی سبب طبعی اور لسانی سطح پر تبدیلیاں اچانک نہیں بل کہ بہ تدریج رونما ہوتی ہیں۔ انحراف کا یہ عمل عموماً ایک طویل عرصے کو محیط ہوتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دولسانی گروہ آیا ایک ہی زبان کی دو مختلف بولیاں بولتے ہیں یا علاحدہ علاحدہ لسانیاتی ساخت کی حامل دو مختلف زبانیں؟ مزید یہ کہ کسی مخصوص زبان کے مرکزی معیار سے کتنا ہٹنا بولیوں کا اختلاف قرار پا سکتا ہے اور کس نقطے سے آگے بڑھ جانے سے ایک نئی زبان کے حدود شروع ہو جاتے ہیں؟

اس سوال کے جواب میں عام طور پر یہ اصول وضع کیا گیا ہے کہ اگر دونوں لسانی گروہ ایک دوسرے کی بولی کو باہمی تفہیم کے تحت سمجھ سکیں تو وہ ایک ہی زبان کی دو بولیاں کہلائیں گی۔ اس کے برعکس اگر دونوں لسانی گروہ ایک دوسرے کی بولی کو نہ سمجھتے ہوئے مافی الضمیر تک رسائی میں مشکلات سے دوچار ہوں تو انھیں دو مختلف زبانوں کے حامل گروہ مانا جائے گا۔ باہمی تفہیم کا انحصار زبانوں میں موجود متعدد مماثلتوں کی بنا پر ہوتا ہے۔ مگر دیکھا یہ گیا ہے کہ زبانوں میں متعدد مماثلتوں کے باوجود لسانی گروہوں میں باہمی تفہیم کی عمل داری درج ذیل وجوہ کی بنا پر ممکن نہیں ہو سکتی:

- ایک صورت وہ ہے جب دو زبانوں میں الفاظ کی بڑی تعداد مشترک ہوتی ہے لیکن قواعد کی رو سے ان کی ساخت بالکل مختلف ہونے کی وجہ سے ہر شخص دونوں زبانوں کو ایک طرح سے نہیں سمجھ سکتا، مثلاً ہندی اور بنگالی میں سنسکرت الفاظ کی کثیر تعداد موجود ہے مگر قواعد اور صوتیات کا

نظام ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہونے کی بنا پر انھیں ایک طرح سے نہیں سمجھا جا سکتا۔اسی طرح ہریانی اور پنجابی میں، اردو اور فارسی میں، انگریزی اورفرانسیسی میں بہت سے الفاظ مشترک ہیں،مگر یہ الگ الگ زبانیں ہیں۔ہر دوکو ایک ہی زبان کی دو بولیاں قرار نہیں دیا جا سکتا۔

- دوسری صورت وہ ہے جہاں قواعد میں قریباً یک سانی ہوتی ہے مگر الفاظ بالکل یا تقریباً مختلف ہوتے ہیں۔اس کی مثال ہندی اور پنجابی زبانیں ہیں۔لہٰذا ان دونوں کوبھی باہمی تفہیم کے تحت نہیں سمجھا جا سکتا۔

- عموماً ایک زبان کی دو بولیاں الفاظ و مشتقات کے حوالے سے یک ساں ہوتی ہیں لیکن ان کے تلفظ میں اس قدر فرق پایا جاتا ہے کہ سننے میں وہ دو علاحدہ زبانیں معلوم ہوتی ہیں۔سریانی اورکلدانی،نشیبی علاقے کی اسکاچستانی اور انگریزی اس کی مثالیں ہیں۔

اس تناظر میں'باہمی تفہیم' کی وضاحت بہ ذاتِ خود ایک پیچیدہ امر ہے۔فہم کا انحصار ذہنی استداد پر ہے۔انسانی ذہن ایک بہت ہی تغیر پذیر چیز ہے جس کی وجہ سے سمجھنا اور سمجھانا ایک اضافی بات ہوکر رہ جاتی ہے۔ وحشی اور دہقانی جسے دشوار سمجھیں گے،تعلیم یافتہ لوگ اسے معمولی بات جانیں گے۔(۱۴)

باہمی تفہیم کے اصول کو بولی کی وضاحت میں اگر چہ بنیادی حیثیت دی جاتی ہے مگر بعض سیاسی، جغرافیائی اور تاریخی عوامل کی بنا پر زبان میں پیدا اختلافات کے ضمن میں یہ اصول زیادہ کارگر نہیں۔مثال کے طور پر چین کے مختلف علاقوں میں مستعمل یک ساں تحریری نظام کی حامل زبانیں،مثلاً 'Mandarin' اور 'Cantonese'،محض ایک ملک کی حدود میں بولے جانے کے سبب ایک ہی زبان کی دو متفرق بولیاں کہلاتی ہیں۔جب کہ ان کے بولنے والے ایک دوسرے کو ہرگز سمجھ نہیں پاتے۔جب کہ دو علاحدہ جغرافیائی حدود کے حامل ممالک ، انڈونیشیا اور ملائیشیا میں بولی جانے والی زبانیں ، بھاشا انڈونیشیا(Bhasha Indonesia)اور بھاشا ملائیشیا (Bhasha Malaysia)،

باہمی تفہیم کے اصول کے پیشِ نظر یقیناً دونوں ملکوں میں بہ آسانی سمجھی اور بولی جا سکتی ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ایک ہی زبان کی دو بولیاں نہیں۔

گویا زبان اور بولی کے فرق کو سمجھنے میں نہ تو باہمی تفہیم کا اصول کارآمد ہے اور نہ ہی علاقائی حد بندی اس حوالے سے کوئی حتمی فیصلہ سناتی ہے۔ یہی وجہ ہے کی اس ضمن میں کوئی قطعی رائے قائم کرنے میں ماہرین لسانیات آج تک لیت ولعل کا شکار ہیں۔(۱۵) البتہ لسانیاتی نقطۂ نظر کی حامل ماہرین کی بڑی تعداد اس بات پر متفق ہے کہ زبان اور بولی میں کوئی بنیادی فرق نہیں۔(۱۶)

گویا ایک ایسے نظامِ نطق کو بولی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جو:

- زبان کی کوئی ابتدائی شکل ہو۔
- بولی عموماً بولی جاتی ہے یعنی بول چال تک محدود ہوتی ہے۔ اس کا اپنا کوئی رسم الخط نہیں ہوتا اور اگر کسی فرد کو اسے کبھی تحریر میں لانا پڑے تو اس علاقے کی بڑی زبان کے رسم الخط کا استعمال کیا جاتا ہے۔
- بولی کسی زبان کی وہ ذیلی شاخ ہے جس کے بولنے والے کو کسی لسانی اختلاف کا احساس نہیں ہوتا۔(۱۷)
- بولی عام طور پر ایک بے ڈھب سی زبان ہوتی ہے جو نسبتاً ایک چھوٹے علاقے کے عوام میں رائج ہوتی ہے۔ اس کی نہ تو کوئی تنظیم ہوتی ہے اور نہ ہی ضابطے اور اصول مقرر ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کی گرامر بھی مرتب نہیں ہو پاتی۔(۱۸)

انسان کی دیگر بنیادی ضرورتوں، لباس، کھانا اور دیگر رسومات میں معمولی اختلاف کی طرح بولیاں بھی زبان کے بے ضرر ولطیف اختلافات کی پیداوار ہیں۔ بولیاں دراصل زبان کے رنگا رنگ تنوع کا نمونہ ہیں اور یہ تنوع زندگی کی علامت ہے۔

بولی کی معیار بندی

ایک بڑا لسانی علاقہ ایک ہی زبان کی متعدد و متفرق بولیوں کا حامل ہوتا ہے۔ اس علاقے کی کوئی ایک نمایاں بولی 'معیاری بولی' (Standard Dialect) کہلاتی ہے۔ معیاری بولی کسی بھی علاقے کی وہ بولی ہوتی ہے جسے عموماً سرکاری سرپرستی حاصل ہوتی ہے۔ وہ اس علاقے کے اشرافیہ اور پڑھے لکھے طبقے کی بولی ہوتی ہے۔ اس کا سیکھنا علاقے کے تمام مقامی و غیر مقامی افراد کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ معیاری تسلیم کیے جانے کی وجہ سے ادب اسی بولی میں تخلیق کیا جاتا ہے۔ ماہرین لسانیات کے مطابق وہ بولی جسے مخصوص علاقے کے اشرافیہ، میڈیا کے اراکین اور تعلیم یافتہ طبقہ استعمال کرے، معیاری اور امتیازی ہے۔ یہی زبان کا خمیر اور مرکزی نمائندہ ہوتی ہے۔ آٹو یسپرسن نے ماہرین کی اس رائے پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے:

> "We set up as the best language that which is found in the best writers, and count as the best writers those that best write the language. We are therefore no furthur advanced than before."(19)

خاص وجوہ کی بنا پر جب ایک بولی سیاسی و معاشرتی قبولیت حاصل کر لینے کے بعد زبان کے درجے پر فائز ہو جاتی ہے تو دیگر بولیاں معاشرے میں نظر انداز کر دی جاتی ہیں، یہ رویہ قطعاً درست نہیں۔ اسی طرح سے عموماً لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ دیگر تمام بولیاں معیاری بولی سے ماخوذ ہوتی ہیں، یہ خیال بھی غلط ہے۔ دراصل معیاری کہلائی جانے والی بولی اپنی ساخت اور ماہیت میں دیگر کسی بھی بولی سے کسی طرح بھی برتر نہیں۔

> ".....In linguistic terms no one dialect of a language is any more correct, any better, or any more logical than any other dialect of the language: all dialects are equally effective forms of language, in that any idea or desire that can be

expressed in one dialect can be expressed just as easily in any other dialect."(20)

عموماً معاشرہ جس بولی کو قبولیت کا درجہ دے دے وہ معیاری زبان ہے اور باقی سب بولیاں۔ البتہ اس بات کا تعین آسان نہیں کہ کون سی بولی کب، کیسے اور کیوں زبان کا درجہ حاصل کرنے میں کام یاب ہو جاتی ہے؟ معیاری اور غیر معیاری ہونے کے حوالے سے بولیوں میں اختلاف لسانیاتی نہیں بل کہ معاشرتی عوامل کے تحت ہوتا ہے، مثلاً وہ دارالسلطنت یا کسی مقدس مقام کی بولی ہو۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو ایک زبان بولنے والے تمام افراد؛ خواہ وہ دیہاتی ہوں یا شہری، پڑھے لکھے ہوں یا ان پڑھ اور خواہ اُن کا تعلق سماج کے کسی بھی طبقے سے ہو، معیاری وغیر معیاری کے جعلی و نام نہاد پیمانوں سے در کنار ایک ہی زبان کی مختلف بولیاں بولتے ہیں۔

زبان کو زیادہ سے زیادہ معیاری بنانے اور بولیوں کے استیصال کی ارادی کوشش کبھی کام یابی سے ہم کنار نہیں ہوئی بل کہ منظم اور معیاری زبان ہی سے متعدد نئی بولیاں جنم لیتی ہیں۔(۲۱)

''زبان کے تغیر کو غلطی نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس کی صحت کا اصل معیار رواج ہے جو امتدادِ زمانہ کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ زبان بنی بنائی چیز نہیں بلکہ اس کے بننے کا عمل ہر لحہ جاری رہتا ہے۔ چاہے ہم اسے محسوس کریں یا نہ کریں۔(۲۲)

ایک ملک میں اگر کئی معیاری زبانیں مستعمل ہوں تو ان میں سے ایک قومی زبان بن جاتی ہے اور اگر ایک سے زیادہ کئی قومی زبانیں ہوں تو ان میں سے ایک زیادہ اہمیت اختیار کر لیتی ہے، مثلاً سوئٹزر لینڈ کی تین قومی زبانوں؛ جرمن ،فرانسیسی اور اطالوی میں سے جرمن زبان زیادہ اہم ہے۔(۲۳)

☆☆☆☆☆

حواشی

(۱) فرمان فتح پوری، ڈاکٹر: قومی زبان اور دیگر پاکستانی زبانیں، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، (۱۹۸۶ء)، ص ۵۔

(2) Baker, Anne E., Hengeveld, Kees: *Linguistics*, UK: Wiley-Blackwell publishing, (2012), p.361.

(3) Crystal, David: *The Cambridge Encyclopedia Of Language (2nd Ed.)*, Islamabad: National book foundation, (1962), p.24.

(4) Crystal, David: *A Dictionary Of Linguistics And Phonetics*, USA: Blackwell publishing, (1997), p.217.

(5) Adrin Akmajian, Richard A. Demers, Ann K. Farmer, Robert M. Harnish: *Linguistics (An Introduction to Language and Communication),* New Delhi: PHI learning Private limited, (2012), p.278.

(6) Linguistics, p.365.

(7) Pei, Mario: *The Story Of Language*, New York: The New American Library,(1965), p.51.

(8) Linguistics, p.364.

(9) The Story of Language, p.51.

(10) Linguistics (An Introduction to Language and Communication), p.274.

(11) The Story Of Language, p.51.

(12) Finegan, Edward: *Language (Its Structure and Use),* America: Wadsworth (A part of the Thomson Corporation), (2004), p.15.

(13) The Story of Language, p.54.

(۱۴) احتشام حسین، سید: ہندوستانی لسانیات کا خاکہ، لکھنؤ: دانش محل، (۱۹۶۳ء)، ص ۱۴۳ تا ۱۴۸۔

(15) Victoria Fromkin, Robert Rodman, Nina Hyams, Peter Collins, Mengistu Amberber: *An Introduction To Language*, Australia: Nelson

Thomson learning Pty limited, (2005), p.401.

(16) Language (Its Structure and Use), p.363.

(17) Vant, Sturte: *Linguistic Change*, Chicago, (1961), p.146.

(۱۸) معین الدین: اردو زبان کی تدریس، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو، (۱۹۸۳ء)، ص۱۳۔

(19) An Introduction To Language, p.409.

(20) Linguistics (An Introduction to Language and Communication), p.281.

(21) The Story Of Language, p.62.

(۲۲) شانتی رنجن بھٹا چاریہ: بنگال کی زبانوں سے اردو کا رشتہ (ایک لسانی مطالعہ)، لکھنؤ: نصرت پبلی شرز، (۱۹۸۸ء)، ص۲۶

(۲۳) جین، ڈاکٹر گیان چند: عام لسانیات، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو، (۱۹۸۵ء)، ص۳۹۔